ہم مسلمان کیوں ہوئے؟

مختلف مذاہب کے
غیر مسلموں کے اسلام
لانے کے واقعات

جب میں نے "مسلمان" دیکھا امیر حمزہ

امریکہ کے ایک امیر ترین تاجر نوجوان کی باتیں

پچھلے دنوں امریکہ سے آنے والے ایک دوست سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتلایا کہ آج کل امریکہ میں "یوسف ایسٹس" نے اسلام کی دھوم مچا رکھی ہے۔ لاکھوں کے جلسہ عام سے وہ خطاب کرتے ہیں، بیسیوں سینکڑوں اور بلا مبالغہ ہزاروں لوگ اس کی دعوت سے مسلمان ہو رہے ہیں۔ عام امریکی ہی نہیں عیسائیوں کے بڑے بڑے علماء مسلمان ہو رہے ہیں۔ سائنس دان اسلام قبول کر رہے ہیں۔ ہمارے دوست نے ہمیں یہ بھی بتلایا کہ ان کی ملاقات جناب یوسف ایسٹس سے ہوئی ہے۔ ان کے جلسوں کو بھی اٹینڈ کیا ہے، اللہ ان سے اپنے دین کا بے پناہ کام لے رہا ہے۔ یہ سن کر ہم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ خود کیسے مسلمان ہوئے اور پھر کیسے اسلام کے عظیم مبلغ بن گئے؟ یہ ساری باتیں ان کی زبانی معلوم ہو جائیں تو ہم اپنے قارئین کی نذر کریں۔ ہماری یہ خواہش پوری ہوگئی اور لیجئے قارئین کرام...... یوسف ایسٹس کی باتیں ملاحظہ ہوں۔

میں اور میرے باپ نے پچھلے تیس سالوں میں بہت سے کاروبار کیے، پہلا کاروبار جو ہم نے کیا وہ موسیقی کے سٹوڈیوز تھے، ان سٹوڈیوز میں موسیقی کے آلات کو استعمال کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لارل اور میری لینڈ وغیرہ میں یہ سٹوڈیوز قائم کیے گئے، ان کا نام ہم نے "ایسٹس میوزک سٹوڈیوز" رکھا۔ اس کے بعد ہم نے اس کاروبار کو اتنا پھیلایا کہ ٹیکساس اور اوکلاہاما سے لے کر فلوریڈا تک پھیلا دیا۔ آلات موسیقی کو بیچنے کے لئے "پیانو اور آرگن" کے نام سے بہت سارے سٹور کھول دیئے۔ یوں ہم باپ اور بیٹے نے کروڑوں ڈالر کمائے۔ امریکہ کے امراء طبقہ میں ہمارا شمار ہونے لگا۔ دنیا کی تمام دولتیں اور نعمتیں ہماری دہلیز پر ہمارا انتظار کرتی تھیں لیکن وہ نعمت جس سے ہم محروم تھے وہ ذہنی سکون کی نعمت تھی۔ ایسی نعمت کہ جس کے ذریعے حق کو پا کر اطمینان مل جائے۔

میرے والد جو پہلے ہی کافی مذہبی تھے۔ اب اور زیادہ مذہبی ہونے لگ گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا چنانچہ میرے والد صاحب چرچ کے کاموں میں بہت آگے بڑھ کر حصہ لینے لگے۔ چرچ کے سکول پروگراموں میں وہ دن رات ایک کر کے سرگرم ہو گئے۔ والد کے ساتھ میری سوتیلی والدہ بھی سرگرم ہو گئیں۔ ایونجلیکن عیسائیوں کے جو ٹی وی پروگرام ہیں ہم انہیں بڑے انہماک اور توجہ سے دیکھنے لگے۔ مشنری مبلغین کی تقریریں سننے لگے۔ پادریوں سے ملاقاتیں اور ان کی مجالس میں بیٹھ کر سکون قلب حاصل کرنے لگے۔ عیسائی فرقے ایونجلیکن کے ایک عالم جناب اورل رابرٹس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ٹلسا شہر میں وہ ایک بڑا ٹاور بنا رہے تھے۔ جسے انہوں نے (Prayer Tower) کا نام دیا۔ ہم نے اس کی تعمیر میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ جو اورل رابرٹس تھے یہ اپنے بڑے لیڈروں کے انتہائی مضبوط سپورٹر تھے۔ ان کے بڑے لیڈروں میں جمی سواگارٹ، مسٹر جم، مسٹر ٹامی، فائے بیکر، جیری، فائل ویل اور جان ہاگی تھے۔ امریکہ میں اسلام کا جو سب سے بڑا دشمن ہے وہ پیٹ رابرٹس ہے وہ ان سب کا بڑا لیڈر ہے اور ایونجلیکن عیسائیوں کا ٹاپ کلاس لیڈر ہے۔

میں اور میرے والد اور میری سوتیلی والدہ ہم سب اب ان لیڈروں کے پیروکار تھے۔ ایونجلیکن کے پیغام کو پھیلانے کے لئے (Praise) یعنی حمد کے عنوان سے ایک سی ڈی تیار کی گئی۔ یہ ان لوگوں کے لئے تھی جو ریٹائر منٹ کی زندگی گزارنے کے لئے مخصوص گھروں میں رہتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان تک اس پیغام کو پہنچایا۔ اسی طرح جو سی ڈی عام گھروں کے لئے تھی اسے لاکھوں گھروں میں پہنچانے کا بندوبست کیا۔ ہسپتالوں میں مریضوں اور ان کے لواحقین کے لئے جو سی ڈی تیار کی گئی تھی اسے ہسپتالوں میں پہنچایا۔ ہم دن بدن اپنے لارڈ جناب (Jesus) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی خوشنودی کی خاطر ان کاموں میں آگے بڑھتے جا رہے تھے اور اپنے آپ کو روحانی سکون پہنچا رہے تھے۔

1991ء کے شروع کی بات ہے کہ میرے والد نے ایک شخص کے ساتھ بزنس کرنا شروع کیا جس کا تعلق مصر کے ساتھ تھا۔ میرے والد نے مجھ سے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم اس شخص سے ملاقات کرو۔ مصر کے رہنے والے شخص سے ملاقات کا سن کر میرے ذہن میں جو تصور ابھرا وہ یہ تھا کہ ہم بین الاقوامی کاروبار کی طرف نکل رہے ہیں۔ اس شخص سے ملاقات کا مطلب یہ ہے کہ پھر میں مصر بھی جاؤں گا وہاں اہرام مصر دیکھوں گا۔ دریائے نیل کی سیر کروں گا، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد میرے والد نے مجھے بتلایا کہ جس شخص سے تم نے ملاقات کرنی ہے وہ مسلمان ہے۔ یہ سنتے ہی میرے دماغ میں نفرت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ میں ایک مشرک سے ملاقات کروں گا جو ہائی جیکر ہوتا ہے، اغوا کار ہوتا ہے، بمبار، دہشت گرد اور ایمان سے فارغ ہوتا ہے۔ میں نے اپنے والد سے کہا۔ ہم جو کچھ اپنے بزرگوں سے مسلمانوں کے بارے میں سنتے رہے ہیں کیا آپ اس مسلمان سے مجھے ملانا چاہتے ہیں، کیا ہمارے بزرگوں نے ہمیں آگاہ نہیں فرمایا کہ یہ مسلمان!

(1) اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

(2) ریگستان میں ایک کالے رنگ کا ڈبہ ہے جس کی وہ عبادت کرتے ہیں۔

(3) دن میں پانچ مرتبہ وہ زمین کو چومتے ہیں۔

ابا جان! اس مسلمان سے میں بالکل نہیں ملوں گا۔ مسلمان سے میں کیسے بات کروں۔ کیسے اس سے ہاتھ ملاؤں؟ ڈیئر ڈیڈ! آپ مجھے کیا کہہ رہے ہیں؟

ابا جان نے اب مجھے سمجھانا شروع کیا اور مجھے یقین دلانا شروع کیا کہ وہ مسلمان ذرا مختلف قسم کا ہے، یہ ایک عمدہ انسان ہے۔ ابا جی کا اصرار دیکھ کر میں کچھ کچھ آمادہ ہوا، اس شرط پر کہ ہم اس آدمی کو عیسائی بنائیں گے اور یہ کہ!

(1) میں اس سے اتوار کے دن ملاقات کروں گا۔

(2) چرچ میں عبادت کرنے کے بعد ملاقات کروں گا۔

(3) بائبل جو ہمیشہ میری بغل میں ہوتی ہے، وہ میرے ہمراہ ہوگی۔

(4) میری بڑی، خوبصورت اور چمکیلی صلیب میرے گلے میں لٹک رہی ہوگی۔

(5) میرے سر پر میری وہ کیپ ہوگی جس پر لکھا ہوا ہے کہ (Jesus is Lord) ''عیسیٰ خدا ہے''۔

میرے والد نے میری یہ تمام شرائط مان لیں۔ اتوار کا دن آ گیا، عبادت سے فارغ ہوا اور اب میں مسلمان سے ملاقات کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ میری بیوی اور دو بیٹیاں بھی تیار ہو گئیں۔ ابا جی ساتھ ہو لئے اور ہم مسلمان سے ملاقات کے لئے چل نکلے۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ایک دکان پر گئے اور وہاں سے مسلمان کے بارے میں پوچھا۔ دکاندار نے مسلمان کا پتہ بتلایا اور ہم مسلمان کی طرف چل پڑے۔ میں اب سوچے چلے جا رہا تھا کہ کہ عنقریب مسلمان میرے سامنے ہوگا۔ اس کا قد کافی لمبا ہوگا، لمبا سا راجبہ اس نے پہن رکھا ہوگا۔ سر پر ایک بڑی ساری پگڑی بندھی ہوگی۔ اس کی داڑھی اس کی ناف تک ہوگی۔ اس کے ابرو اتنے بڑے ہوں گے کہ پیشانی پر پھیل رہے ہوں گے۔ آنکھوں کی پلکیں بہت لمبی ہوں گی۔ اس کے ہاتھ میں تلوار ہوگی اور جبے کے نیچے دستی بم ہوگا۔

جب ہم نے دستک دی تو ہماری ہی طرح کا ایک سادہ سا جوان باہر نکلا۔ وہ ہمیں بڑے تپاک سے ملا، محبت آمیز مسکراہٹ سے ملا۔ ہم سے مصافحہ کیا۔ یہی مسلمان تھا، میں اب سوچ میں پڑ گیا کہ یہ مسلمان دہشت گرد اور بمبار تو نہیں، میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ میں نے سنا کیا تھا اور دیکھ کیا رہا ہوں؟ میرے اندر ایک جنگ سی نمودار ہو گئی۔ سنی ہوئی باتوں اور دیکھی ہوئی حقیقتوں کے مابین لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمان اب ہمیں اندر لے گیا۔ ہمیں بٹھایا، باتیں ہونے لگیں، مسلمان کا استقبال اور ہماری ضیافت اپنی جگہ، میں نے اب اپنا سوال مسلمان پر داغ دیا۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

جب میں نے "مسلمان" دیکھا(2)   امیر حمزہ

یوسف ایسٹس: کیا تم اللہ کو مانتے ہو؟

مسلمان: کیوں نہیں۔

ایسٹس: کیا تم حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو مانتے ہو؟

مسلمان: بالکل۔

ایسٹس: ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تم انہیں مانتے ہو اور کیا یہ بھی مانتے ہو کہ انہوں نے اللہ کے سامنے اپنے بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کر دیا تھا؟

مسلمان: ہاں! ہم یہ سب مانتے ہیں۔

ایسٹس: موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہو، ان پر جو دس احکام نازل ہوئے ان پر ایمان رکھتے ہو اور بحر احمر نے جب موسیٰ علیہ السلام کو گزرنے کا راستہ دیا تھا اس واقعہ کو بھی مانتے ہو؟

مسلمان: ہم یہ ساری باتیں مانتے ہیں۔

ایسٹس: دوسرے پیغمبروں کے بارے میں کیا خیال ہے مثال کے طور پر داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مانتے ہو؟

مسلمان: جناب! ہم سارے پیغمبروں کو مانتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔

ایسٹس: کیا تم بائبل پر ایمان رکھتے ہو؟

مسلمان: جی ہاں!

ایسٹس: کیا تم عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہو اور اس بات کو بھی کہ وہ خدا کے مسیح تھے؟

مسلمان: یہ بھی مانتے ہیں۔

قارئین کرام! یوسف ایسٹس کہتے ہیں کہ مسلمان کی یہ ساری باتیں اور جوابات جو "ہاں" میں تھے سن کر میں انتہائی خوش بھی ہوا اور حیران بھی...... خوش اس بات پر ہوا کہ یہ جو مسلمان ہے اس پر تھوڑی سی محنت کی ضرورت ہے اور یہ عیسائی ہو جائے گا اور میں عیسائی دنیا میں اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بطور فخر یہ کہہ سکوں گا کہ میں نے ایک مسلمان کو عیسائی بنا دیا ہے۔ پریشان اس بات پر تھا کہ اگر سارے ہی مسلمان اس مسلمان کی طرح ساری باتوں کو مانتے ہیں تو پھر ہمارے مشنری مبلغین ان مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں ناکام کیوں ہیں؟

بہرحال! یہ سوچیں سوچتے ہوئے میں نے مصری مسلمان کو ایک اچھے ہوٹل میں چائے کی دعوت دی تاکہ وہاں بیٹھ کر مذاہب پر تفصیلی گفتگو کی جا سکے۔ مسلمان نے میری دعوت کو قبول کر لیا اور پھر ہم چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے مذاہب پر گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے مصری مسلمان کو با اخلاق، خاموش طبع، عمدہ انسان جو قدرے شرمیلا ہو جیسی خصوصیات کا حامل پایا۔ اس ملاقات کے بعد اب مجھے اور زیادہ یقین ہو گیا کہ مصری مسلمان نہ صرف یہ کہ عیسائی ہو

جائے گا بلکہ انتہائی عمدہ عیسائی بنے گا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد سے کہہ دیا کہ میں اس مسلمان کے ساتھ مل کر کاروبار کروں گا۔ میں نے جونہی آمادگی کا اظہار کیا میرے والد خوش ہو گئے اور پھر ہم کاروبار کے سلسلے میں اکٹھے سفر کرنے لگے۔ کاروباری سلسلے میں ٹیکساس کے شمالی علاقے میں سفر سے آغاز کیا اور پھر دن بدن ہم اکٹھے سفروں پر روانہ ہونے لگے۔ اکٹھے رہنے لگے اور مذاہب پر خوب بحث کرنے لگے۔ اسلام پر بھی بحث ہوتی۔ عیسائیت پر بھی اور دیگر مذاہب پر بھی، عیسائیت میں ایونجلیکن کا ایک ریڈیو اسٹیشن میرا پسندیدہ اسٹیشن تھا۔ میں یہاں سے عبادت اور حمد کی نظمیں سنا کرتا تھا۔ مصری مسلمان کو بھی سناتا۔ پھر ہم بحث کرتے کہ اللہ کو ماننے کا درست انداز کیا ہے؟ زندگی کا کیا مطلب ہے، تخلیق کا مقصد کیا ہے، انبیاء اور ان کا مشن کیا ہے اور اللہ اپنے ارادوں کو انسانوں تک انبیاء کے ذریعہ کیسے پہنچاتا ہے؟

میرے مصری دوست مسلمان کا نام محمد تھا۔ وہ جس جگہ رہائش پذیر تھا، وہاں وہ اپنے ایک دوسرے مسلمان دوست کے ہمراہ باقاعدہ مسجد میں جاتا تھا۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ میں اور میرا دوست ہم جب بھی بزنس کے لئے نکلتے ہیں تو ہمیں اکٹھے ہونا پڑتا ہے اور پھر میں محمد کو ان کے گھر چھوڑتا ہوں اور اپنے گھر آتا ہوں تو کیوں نہ ایسا کر لیں کہ محمد کو اپنے گھر میں مستقل رہائش کا کہہ دیں۔ ہمارا گھر بہت بڑا تھا۔ محمد کے لئے اتنے بڑے گھر کے ایک حصے میں رہنا ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ میرے والد نے ہاں کر دی۔ میں نے محمد کو پیشکش کر دی اور محمد نے بھی میری پیشکش کو مان لیا اور یوں اب ہم ایک ہی گھر میں اکٹھے رہنے لگ گئے۔

میں اپنی بے پناہ کاروباری مصروفیات سے اب بھی وقت نکالتا اور اپنے ساتھی عیسائی مبلغین کی تبلیغی مساعی میں شامل ہوتا، ایسا میرا ایک مبلغ ساتھی ٹیکساس میں رہتا تھا۔ ٹیکساس کے اس علاقے میں جس کا بارڈر میکسیکو کے ساتھ ملتا ہے جبکہ دوسرا مبلغ ساتھی اوکلاہاما کے بارڈر پر رہتا تھا۔ ان میں سے ایک مبلغ تو اس قدر پرجوش تھا کہ اس نے لکڑی کی ایک اتنی بڑی صلیب بنا رکھی تھی کہ وہ سڑک پر ایک کار کی جگہ کو گھیر لیتی تھی۔ میرا یہ مبلغ دوست صلیب کو اپنے کندھوں پر کھینچتا اور اس کا دوسرا حصہ سڑک پر گھسٹتا چلا جاتا۔ یہ جب اس کو کھینچتے ہوئے سڑک کے ایک کنارے پر چلتا تو لوگ کاروں پر جاتے ہوئے اس کے پاس ٹھہر جاتے یہ منظر دیکھتے اور برکت حاصل کرتے۔ سوال کرتے اور پھر یہ مبلغ اپنے تبلیغی پمفلٹ ان لوگوں کو دیتا۔

میرا یہ مبلغ دوست اسی طرح سڑک پر جا رہا تھا کہ اسے ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ گر گیا۔ لوگوں نے اسے ہسپتال پہنچایا۔ مجھے پتہ چلا تو میں ویٹرن ہسپتال میں اس کی عیادت کے لئے جا پہنچا۔ وہ ایک قدرے لمبا عرصہ ہسپتال میں رہا۔ میں ہفتے میں کئی دفعہ اس سے ملنے کو جاتا۔ جب بھی جاتا اپنے دوست محمد کو بھی ساتھ لے جاتا میری خواہش یہی ہوتی تھی کہ وہاں ہم تینوں ساتھی مذاہب پر گفتگو کریں گے۔ ہم گفتگو کرتے مگر میرا یہ دوست کوئی دلچسپی نہ لیتا۔ وہ اسلام کے بارے میں بیزاری کا اظہار کرتا۔ وقت یونہی گزرتا رہا اور بالآخر وہ ٹھیک ہو کر ہسپتال سے فارغ ہوا۔ ہمارے اس مبلغ دوست نے بطور مبلغ کے چرچ کی طرف سے بارہ سال تک متواتر تبلیغ کی تھی۔ وہ جنوبی اور وسطی امریکہ میں تبلیغ کرتا رہا تھا۔ نیو یارک میں تبلیغی دورے کرتا رہا تھا۔ وہ لاطینی امریکہ کے ملک میکسیکو میں بھی مشنری جذبے سے تبلیغ کرتا رہا تھا۔ ہم دونوں ایونجلیکن فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ میرے مبلغ دوست نے مجھ سے کہا کہ وہ ایک ایسے صحت افزاء مقام پر

چند ماہ گزارنا چاہتا ہے کہ جہاں اس کی صحت بہتر ہو جائے مگر وہاں وہ ایسے لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہے کہ جن کا فرقہ کیتھولک ہو۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ میرا دوست ہسپتال میں رہنے کے دوران ایک کیتھولک پادری سے ملتا رہا اور اب اس پر کیتھولک عقائد کا رنگ چڑھ رہا تھا۔ میں نے اپنے والد سے بات کی اور پھر ہم دونوں اپنی اپنی فیملیوں کے ہمراہ ایسے صحت افزاء مقام پر چلے گئے جہاں کیتھولک فرقہ کے لوگ رہتے تھے۔ ہم نے محمد کو بھی ہمراہ لے لیا۔

قارئین کرام! یوسف ایسٹس کہتے ہیں کہ وہاں میں نے اپنے دوست کے سامنے اسلام کے بارے میں اپنی حیرانگیوں کا اظہار کیا۔ سب سے زیادہ حیرانی مجھے اس بات پر تھی کہ محمد سے بحث کے دوران اب یہ مجھ پر انکشاف ہو چکا تھا کہ یہ میرا دوست محمد ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے مسلمان بائبل کو بھی مانتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانتے ہیں مگر وہ اس طرح مانتے ہیں کہ!

(1) عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول ہیں۔

(2) پیغمبر کا معجزہ اس کا اپنا کمال نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔

(3) عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہیں اور یہ اسی طرح ہے جس طرح بائبل میں بتلایا گیا ہے۔

(4) عیسیٰ علیہ السلام اس وقت اللہ کے پاس ہیں۔ انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔

(5) قیامت کے قریب وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور دجال کے خلاف مومنوں کی رہنمائی کریں گے۔

میری یہ باتیں سن کر میرا مبلغ پادری دوست مجھے کہنے لگا۔ کیتھولک فرقے میں بعض پادری ایسے ہیں کہ انہوں نے اسلام میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہوتی ہے اور وہ اس لئے کرتے ہیں کہ تا کہ وہ اسلام کا مقابلہ کر سکیں گے۔ میں نے جب یہ سنا تو بڑا حیران ہوا کہ پادریوں کو ان ساری باتوں کا پتہ بھی ہے پھر لوگوں کو حقیقت کیوں نہیں بتلاتے؟ یہ سوچ کر میرا ذہن یکدم چکرا گیا۔ (باقی آئندہ، ان شاءاللہ)

جب میں مسلمان ہوا (آخری قسط) امیر حمزہ

ہم جس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں ہم روزانہ رات کے کھانے پر اکٹھے ہوتے اور مذاہب پر بحث کرتے، میرے والد صاحب انجیل کا وہ ایڈیشن نکالتے جو کنگ جیمز کا ورژن ہے وہ اس سے دلائل دیتے۔ میں وہ بائبل نکالتا جو سٹینڈرڈ ورژن کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن ہے، میں اس سے دلائل دیتا۔ میری بیوی جو بائیبل کھولتی اس کا تعلق جمی سواگارٹ سے تھا جسے انہوں نے جدید انسان کے لئے "گڈ نیوز" قرار دے رکھا تھا، ہم ایک ہی خاندان کے تین افراد مختلف بائیبلیں لے کر بیٹھ جاتے اور جو ہمارا پادری دوست تھا وہ کیتھولک بائیبل کھول کے بیٹھ جاتا، جس کے آگے سات عدد مزید مختلف ایڈیشن تھے۔ اب ہمارا حال یہ تھا کہ ہم بجائے اس کے کہ محمد کو عیسائی بناتے ہم آپس میں زیادہ ٹائم اس بات پر ہی لڑ جھگڑ کر گزار دیتے کہ درست بائیبل کونسی ہے؟ یا زیادہ صحیح والی کونسی ہے؟

اس دوران ایک بار جب لڑائی جھگڑا عروج پر تھا تو میں نے محمد سے پوچھا کہ گزشتہ چودہ سو سالوں میں قرآن کے کتنے ورژن یا ایک دوسرے سے مختلف کتنے ایڈیشن ہیں، محمد بولا! قرآن تو صرف ایک ہے اور اس میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ محمد نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید آگاہ کیا کہ قرآن لاکھوں انسانوں کے سینوں میں حفظ ہے، وہ پوری دنیا میں ہر ملک میں موجود ہے، جب سے قرآن نازل ہوا لاکھوں انسانوں نے ہر دور میں اسے نہ صرف حفظ کیا بلکہ دوسروں کو اس کی تعلیم دی، یوں صدیوں سے یہ حفظ ہوتا آ رہا ہے اور پوری دنیا میں ایک نسل کے ذریعہ دوسری نسل میں حفظ اور تعلیم کے میدان میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس کے پہلے کور اور آخری کور کے درمیان کسی غلطی کے بغیر الفاظ اور حروف تک محفوظ و مامون ہیں...... آج بھی پوری دنیا میں ایک کروڑ کے قریب اس قرآن کے حافظ موجود ہیں مگر مجال ہے جو دنیا کے کسی خطے میں ایک لفظ کا بھی فرق ہو۔

محمد کی یہ بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ دعویٰ تو درست ہے مگر یہ ممکن کیسے ہو گیا کہ بائیبل کی جو زبان ہے جس میں وہ نازل ہوئی، پھر ترجمہ ہوا، پھر ترجمے کا ترجمہ ہوا وہ زبانیں بھی مردہ ہو چکی ہیں۔ آج نہیں بلکہ صدیوں پہلے سے وہ متروک ہو چکی ہیں۔ انہیں بولنے والا روئے زمین پر کوئی ملتا نہیں، اصل اور اوریجنل بائیبل کے جو ڈاکومینٹس ہیں وہ بھی صدیوں سے گم ہیں...... یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ قرآن اپنی اصل زبان میں ایک ایک لفظ کے ساتھ پورے کا پورا آج موجود ہے اور کروڑوں لوگ اس کی تلاوت میں مصروف ہیں اس حقیقت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ سوچنے پر مجبور کر دیا، مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا...... اس حقیقت نے مجھے ہی نہ ہلایا بلکہ ان سب کو جو اپنی اپنی بائیبل کے بارے میں جھگڑ رہے تھے وہ محمد کی بات سن کر سوچوں میں پڑ گئے تھے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ وہ پادری جو کندھوں پہ لکڑی کی بڑی صلیب اٹھائے سڑک پر گھسیٹے پھرتا تھا، محمد سے کہنے لگا، میں تمہارے ساتھ مسجد میں جانا چاہتا ہوں، کیا آپ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے؟ محمد نے کہا کیوں نہیں؟ اور پھر وہ دونوں مسجد میں چلے گئے۔ جب واپس آئے تو میں نے اپنے پادری دوست سے پوچھا کہ مسلمانوں نے کیسے اور کس طرح عبادت کی؟ پادری نے کہا وہاں تو خاموشی سے عبادت تھی، ہم گئے، اسے دیکھا اور واپس آ گئے۔ میں نے

تعجب سے پوچھا! کوئی تقریر نہ تھی، کوئی نغمہ نہ تھا، کوئی ساز نہ تھا، تو پھر وہ عبادت کیا تھی؟ پادری نے کہا بس وہ عبادت ان چیزوں کے بغیر ہی تھی، بڑی مناسب اور دل کو لگنے والی تھی، یہ سن کر مجھے بھی حیرانی ہو رہی تھی کہ وہ کیسی عبادت ہے جس میں ہمارے پادری کی طرح تقریر نہیں، ساز نہیں اور نغمہ آرائی نہیں؟

چند دن مزید گزر گئے اور پھر ایک دن پادری نے محمد سے کہا کہ وہ آج دوبارہ اسے مسجد میں اپنے ساتھ لے جائے۔ محمد لے گیا، ہم نے حسب معمول سوچا کہ ابھی آ جائیں گے مگر وہ تو نہ آئے، وقت گزرتا چلا گیا کئی گھنٹے بیت گئے، رات پڑ گئی، اندھیرا چھا گیا، اب تو ہم پریشان ہو گئے کہ کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو کہ وہ ابھی تک نہیں آئے، ہم سب اسی پریشانی میں تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی، میں دوڑا گیا، دیکھا تو محمد تھا مگر محمد کے ساتھ جو دوسرا شخص تھا وہ کون ہے، میں تعجب بھری نظروں سے اسے دیکھتے چلا جا رہا تھا، محمد مسکرا رہا تھا اور پھر میں نے پہچان لیا کہ یہ تو وہی میرا عیسائی مبلغ دوست ہے مگر وہ تو بالکل بدل چکا ہے، اس نے لمبا سا سفید جبہ پہن رکھا تھا، سر پہ سفید ٹوپی تھی، میں نے حیرانی سے پوچھا۔ پیٹے! کیا آپ مسلمان ہو گئے ہیں، پیٹے نے کہا میں تو اسی دن ہی مسلمان ہو گیا تھا جس دن ہم اپنی اپنی انجیلوں پر جھگڑ رہے تھے اور محمد نے قرآن کے بارے میں بتلایا تھا کہ وہ بالکل نہیں بدلا۔

میں نے محمد کو اور اپنے دوست کو نیچے بٹھایا اور دوڑتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا، بیوی کے پاس پہنچا اسے سارا واقعہ سنایا کہ پادری پیٹے جو آج لیٹ ہو گیا تھا، ابھی آیا ہے وہ تو مسلمان ہو چکا ہے۔ یہ سن کر بیوی کہنے لگی کہ میں تو خود مسلمان ہونا چاہتی ہوں کیونکہ جو بحث مباحثہ میں نے سنا ہے اس سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ دنیا میں اسلام ہی وہ دین ہے جو برحق ہے۔ بیوی سے جونہی یہ جملہ سنا تو میرے جسم کا رواں رواں کانپ اٹھا، دل دھڑکنے لگا، گوشت پھڑکنے لگا، میں بیوی سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی کے ساتھ سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آ گیا۔ محمد کے پاس پہنچا، وہ سو چکا تھا، میں نے اسے جگا ڈالا اور کہا کہ وہ بیڈ روم سے باہر آئے اور میرے ساتھ گفتگو کرے، چنانچہ ہم ساری رات چہل قدمی کرتے رہے اور گفتگو کرتے رہے، اب فجر کی نماز کا ٹائم ہو چکا تھا، محمد نماز کی جانب چل دیا اور میں اپنے باپ کے کمرے کے پیچھے ایک کھلی جگہ پر چلا گیا۔ اب میں وہاں اکیلا ہی تھا، وہاں پلائی وڈ کا ایک پرانا سا ٹکڑا پڑا تھا، میں نے اس کا رخ اس سمت کیا کہ جس جانب مسلمان منہ کر کے پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے اپنا سر وہاں رکھ دیا، سجدے کی حالت میں گر گیا، میرا جسم یوں تھا جیسے ابھی بکھر جائے گا۔ میں نے اپنے رب کو آوازیں دینا شروع کر دیں، زار و قطار روئے جا رہا تھا اور کہے جا رہا تھا۔

میرے رب! کہاں ہے تو، مجھے ہدایت دے، مجھے درست راستہ دکھلا دے، میری رہنمائی کر دے۔

میرا دل اب قرار پکڑ چکا تھا، میرا جسم پرسکون ہو چکا تھا، میں نے اپنا سر اٹھایا اور بیٹھ گیا، پھر اٹھا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر گیا۔ وہاں واش روم میں داخل ہوا، شاور کھولا اور غسل کرنے لگ گیا۔ میں نہا رہا تھا اور ذہن میں یہ سوچے جا رہا تھا کہ پرانا آدمی اور اس کے گناہ زائل ہو رہے ہیں اور ایک نیا آدمی معرض وجود میں آ رہا ہے۔ ایک تازہ اور نئی زندگی شروع ہونے جا رہی ہے، ایسی زندگی جس کی اساس تصورات پر نہیں بلکہ حق اور دلیل پر ہے۔

اسی دن...... صبح کے گیارہ بجے جب محمد عبدالرحمٰن اور سابق فادر پیٹر جیکب اپنے دن کے عمل کا آغاز کر رہے تھے،

میں نے دونوں کو گواہ بنا کر کلمہ پڑھا۔

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد عبده ورسوله

میں نے اب بیوی کو بتلایا کہ میں تو مسلمان ہو چکا ہوں، وہ اٹھی جلدی سے تیار ہوئی اور اس نے بھی ہمارے ساتھ مسلمان ہونے اور کلمہ پڑھنے کا اعلان کر دیا۔ میں نے دو بندوں کو گواہ بنایا تو اس نے تین کو گواہ بنا دیا...... اس کے بعد میرے باپ کو پتہ چلا تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

اب میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بچوں کو عیسائی سکول سے اٹھا لیا اور مسلم سکول میں داخل کروا دیا۔ اب دس سال ہونے کو آئے ہیں انہوں نے دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ بنیادی اسلامی تعلیم بھی حاصل کر لی ہے اور قرآن بھی حفظ کر لیا ہے صرف تھوڑا سا باقی رہ گیا ہے۔

میری سوتیلی ماں جو ابھی تک عیسائیت پہ اڑی ہوئی تھی اللہ کا شکر ہے کہ موت سے تھوڑے دن قبل وہ بھی مسلمان ہو گئی۔

اس کے بعد میں نے اپنے دیگر رشتہ داروں پر زور لگایا، دوستوں کو سمجھایا اور انہیں مسلمان بنایا۔ ان میں میرا ایک اہم دوست جو بپٹسٹ تھا، اس کا نام ''جو'' ہے اسے میں نے قرآن پڑھایا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

ایک کیتھولک پریسٹ کہ جو گزشتہ آٹھ سالوں سے افریقہ میں تبلیغ کر رہا تھا میں نے مسلمان ہونے کے اگلے سال ہی اسے دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنا نام عمر رکھ لیا ہے، افریقہ کو چھوڑ کر وہ اب ''ڈلاس ٹیکساس'' میں رہ رہا ہے اور اسلام کی تبلیغ کر رہا ہے۔

ایک اور پادری جس کا نام فادر جان ہے اس نے مانا ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتا ہے مگر اس کی جو قابل رشک ملازمت ہے وہ آڑے آ گئی ہے، اللہ کے حضور دعا ہے کہ اللہ اسے ہدایت سے نواز دے۔

میں آرتھوڈکس فرقے کے آرک بشپ سے ''سان انٹونیو'' میں ملا۔ اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور آرتھوڈکس فرقے کے روسی چرچ سے اپنا ناطہ توڑ لیا ہے۔ اس نے بلاشبہ ایک انتہائی اہم عہدے کو حق اور سچ کے لئے قربان کر دیا ہے۔

نیویارک میں...... میں ایک عورت سے ملا، یہ خاتون ایک ہندو پنڈت کی بیٹی ہے، اس نے اسلام قبول کر لیا اور ہم نے اسلام پر جو سی ڈی تیار کی اس نے دن رات محنت کر کے اسے امریکہ میں چھ لاکھ لوگوں تک پہنچایا، ہماری اس بہن نے اتنا بڑا کام انتہائی محنت اور لگن سے کیا ہے اور کرتی چلی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مزید توفیق عطا فرمائے۔

بحمد للہ! میں نے چند سالوں میں اسلام کی دعوت پر جو کام کیا، صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے ہزارہا لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں ان میں امریکہ کے لیڈرز، اساتذہ، بڑے بڑے اسکالرز اور سائنسدان تک موجود ہیں۔ اور پھر عیسائیوں کے تمام فرقوں سے لوگ آئے ہیں۔ ہندوؤں، یہودیوں اور بدھوں سے بھی آئے ہیں۔ اور وہ آگے اسلام کی دعوت کا کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ محنت قبول فرمائے اور مزید توفیق سے نوازے۔ (آمین)

جیمز ابیبا (James Abiba)

1980ء کی بات ہے اس وقت میں واشنگٹن ڈی-سی (Washington D. C.) کے قریب ایک ملٹری چھاؤنی فورٹ میڈ میں کام کر رہا تھا، اور میری اہلیہ صاحبہ اس چھاؤنی میں ملٹری ہسپتال میں بطورِ ڈاکٹر متعین تھیں، میرے ذمے فورٹ میڈ ہائی اسکول میں نویں سے بارھویں جماعت کے بعض طلباء کو ریاضی پڑھانا تھا اور میں روزانہ پانچ مختلف کلاسوں کو پڑھاتا تھا، جیمز ان میں سے کسی گروپ میں نہیں تھا، اس نے میرے ایک طالب علم سے کہا کہ مجھے مسٹر احمد سے ملنے کی اجازت درکار ہے ، اس طالب علم نے مجھ سے جیمز کی خواہش کا ذکر کیا، میں نے بلا تکلف جیمز کو ملاقات کی اجازت دیدی، جیمز نے آتے ہی مجھ سے اسلام کے بارے میں چند سوالات کیئے، میں نے مختصر طور پر ان کا جواب دے دیا، اسکے بعد وہ دوسری بار سوالات لیکر آیا، میں نے ان کا جواب بھی دیدیا اور ساتھ ہی میں نے جیمز سے پوچھا کہ کیا یہ سوال اسکی سوشل سٹڈیز کے کورس سے ہیں؟ جیمز نے کہا کہ نہیں، بلکہ میں نے چند ہفتے پہلے اس اسکول کی لائبریری میں اسلام کے بارے میں ایک کتاب دیکھی تھی اس کتاب کے پڑھنے کے بعد مجھے اسلام سے کچھ دلچسپی پیدا ہوگئی، میں نے اس سے کہا: اس ملک میں گورنمنٹ اسکول میں کسی مذہب کے بارے میں تفصیلی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے بہتر ہوگا کہ ہم دونوں اسکول سے باہر فاسٹ فوڈ (Fast Food) ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر تبادلۂ خیالات کیا کریں، ہم نے دن اور وقت طے کرلیا، اس طرح میری اور جیمز کی کئی ایک ملاقاتیں ہوئیں جو کہ اللہ کے فضل سے بہت سودمند ثابت ہوئیں، جیمز نے ہماری مسجد دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ، میں اسے ایک قریبی شہر لورل (Laurel) میں ایک نہایت قدیم گھر میں لے گیا جو کہ اس وقت بطورِ مسجد استعمال کیا جاتا تھا، میں نے اسے نماز

کا طریقہ بھی بتایا، جیمز کو یہ بات بہت پسند آئی کہ ہم نماز میں براہِ راست اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اس عبادت کے دوران کسی قسم کے میوزک سے مدد نہیں لیتے بلکہ پورے سکون اور دلجمعی سے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، اس کے علاوہ عبادت گاہ اور عبادت کا طریقہ بہت سادہ ہے، مسجد میں کسی کی بھی تصویر آویزاں نہیں ہے، اس سے جیمز کو واضح ہو گیا کہ ہم محمد ﷺ کی پرستش بالکل نہیں کرتے بلکہ صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں.

اس دوران کئی چیزیں میرے ذہن میں آئیں، پہلی بات یہ کہ جیمز اس وقت صرف سولہ سال کا نوجوان تھا اور اس ملک کے قانون کے مطابق ابھی سنِ بلوغت کو نہ پہنچا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ جیمز کے والدین اپنے بچے کو دوسری راہ پر گامزن کرنے پر مجھے کسی قسم کی تکلیف پہنچا سکتے ہیں، علاوہ ازیں فورٹ میڈ ایک ملٹری چھاؤنی ہے اور اسکے متصل نیشنل سیکورٹی ایجنسی ہے جو کہ ملک بھر کے خفیہ کاموں کا مرکز ہے، مجھے خدشہ ہوا کہ کسی وقت بھی میرے لئے کوئی الجھن پیدا ہو سکتی ہے، جیمز نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اسکا والد نیشنل سیکورٹی ایجنسی میں بطورِ آفیسر کام کرتا ہے، یہ سب باتیں میرے دماغ میں بار بار آتیں اور الجھن میں ڈالتی رہیں .

میں اور جیمز حسبِ معمول وقتاً فوقتاً تبادلۂ خیالات کرتے رہے، ایک دن جیمز نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ مسلمان بننا چاہتا ہے، میں نے اس کو مسلمان بننے کا طریقہ بتایا جو کہ بہت آسان اور سادہ ہے، میں نے اسے یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مسلمان بننے کے بعد دوبارہ کافر بننا نہایت ہی براعمل ہے اس لئے اس کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ وہ اسلام کی مزید تحقیق کرے حتیٰ کہ اس کا دل اسلام پر پورا جم جائے .

ابھی ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ جیمز نے پھر اصرار کیا کہ وہ مسلمان ہونا چاہتا ہے، اس بار

میں نے اسے کلمۂ شہادت پڑھایا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمان ہو گیا، جیمز کے مسلمان ہونے پر ہم دونوں پر کئی نئی ذمہ داریاں عائد ہوگئیں، ان میں سے ایک میری یہ ذمہ داری تھی کہ ہر اتوار جیمز کو اس کے گھر سے مسجد لایا کروں تا کہ وہ اس علاقے کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کر سکے، نماز کے بعد میں اسے عربی حروفِ تہجی سکھایا کرتا تھا ، جیمز کو یہ تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اس نے جلد ہی قرآن پاک کو عربی میں پڑھنا شروع کر دیا ، جیمز کو موسیقی بہت پسند تھی ، اس لئے اس نے جلد سے جلد اذان سیکھی اور اس مسجد کا مؤذن بن گیا ایک نئے مسلمان کی آذان کی تاثیر زالی ہی ہوتی ہے ، جسکو کسی نے ان الفاظ میں نظم کیا ہے:-

تیرا پیام اور ہے میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرزِ کلام اور ہے

ایک دن حسبِ معمول میں جیمز کو اس کے گھر سے لانے گیا، جونہی وہ گھر سے وارد ہوا میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا کیونکہ وہ سر سے پاؤں تک ایک خوبصورت عربی لباس میں ملبوس تھا ، علاوہ ازیں جیمز کے علاقہ میں مقیم طلبا اور ان کے والدین پہلے ہی چپکے چپکے میرے اور جیمز کے بارہ میں باتیں کر رہے تھے، جب جیمز میری کار کے پاس پہنچا تو میں نے اس سے بے اختیار یہ کہا: جیمز ! تجھے یہ لباس تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، مسلمان امریکی لباس میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، جیمز نے میرا خدشہ بھانپتے ہوئے برجستہ کہا: مسٹر احمد آپ کا ایمان کمزور ہے، میں نے اس سے کہا: کیا تمہارے والدین یہ لباس دیکھ کر تم سے ناراض نہیں ہوتے؟ اس نے کہا: قطعاً نہیں، وہ مجھے اس بارے میں بالکل تنگ نہیں کرتے بلکہ میری ماں روزانہ میرے لئے علیحدہ حلال کھانا تیار کرتی ہے، یہ سن کر میری جان میں جان آئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا .

جیمز ابھی ہائی اسکول کا طالب علم ہی تھا، اور اپنے ساتھیوں میں کافی مقبول تھا، اس دوران ایک دن جیمز میرے پاس آیا اور کہنے لگا: مسٹر احمد میں اپنا نام بدل کر مسلم نام رکھنا چاہتا ہوں، میں نے اسے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ نیا نام سنتے ہی تمہارے ساتھی تم سے میل ملاپ چھوڑ دیں گے، امریکی نام سے تم ان سے خوب گھل مل سکتے ہو اور اسلامی اقدار کو ان تک پہنچا سکتے ہو، جیمز میری یہ سوچ سن کر دوبارہ بے اختیار کہنے لگا: مسٹر احمد آپ کا ایمان کمزور ہے، بہر حال اس نے اپنا نیا نام جیمز حسین ایبا پسند کیا.

بتدریج جیمز نے ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کر لی، اب وہ اس تلاش میں تھا کہ اسے وقتی طور پر عارضی کام مل جائے جس سے وہ کالج کے اخراجات کے لئے کچھ پیسہ اکٹھا کر سکے، مغربی ممالک میں یہ ایک بہت اچھا رواج ہے کہ والدین کی مالی استطاعت اور اعلیٰ منصب کے باوجود نوجوان طلباء اپنے کالج کے اخراجات کیلئے فارغ وقت میں کچھ نہ کچھ کام کر لیتے ہیں، کسی قسم کا بھی کام کرنے میں انہیں عار محسوس نہیں ہوتی بلکہ معمولی سے معمولی کام کے ملنے پر بھی فخر کرتے ہیں، علاوہ ازیں اپنی اس مصروفیت کو رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں سے نہیں چھپاتے، درحقیقت جوانی میں لگاتار مصروفیت ہی انسان کو بہت سی لغزشوں سے بچا لیتی ہے.

اسی دوران میری اہلیہ صاحبہ نے امریکی آرمی چھوڑ کر لورل میری لینڈ (Laurel Maryland) میں اپنا میڈیکل کلینک کھول لیا، اور انہوں نے جیمز کو اپنے میڈیکل کلینک میں استقبالیہ پر متعین کر دیا، چونکہ میری اہلیہ صاحبہ کی میڈیکل پریکٹس اس موقع پر بالکل نئی تھی اور مریض کم تھے، اس طرح جیمز خاصہ وقت فارغ بیٹھا رہتا تھا اور اسکو اسلامی کتب کے مطالعہ کرنے کا خوب موقع مل جاتا تھا.

جیمز ہر سال عید بھی ہمارے ساتھ مناتا، ایک سال اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ میں نے بفضلِ

خدا رمضان کا پورا مہینہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گذارا ، یہاں تک کہ عید کی نماز بھی مکہ مکرمہ میں ادا کی ، یہ میرے لئے پہلا موقع تھا کہ پورا رمضان مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گذاروں اس لئے میں بہت خوش تھا، لیکن دل ہی دل میں جیمز کے اکیلے پن کی فکر لاحق تھی، جب میں واپس امریکہ پہنچا تو میں نے مسجد میں چند احباب سے جیمز کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو وہ کہنے لگے کہ جیمز نے رمضان کے دوران کئی دینی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یہاں تک کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف میں بھی بیٹھا ، حقیقت ہے کہ وہ عبادت کے بہت سے امور میں ہم سے سبقت لے جاتا ہے .

کچھ عرصہ کے بعد جیمز نے کالج میں داخلہ لے لیا اور اس نے اسلامک ہسٹری کے ساتھ بی اے مکمل کر لیا ، وہ اپنی یونیورسٹی میں مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کا ممتاز ممبر تھا، اسی دوران اس نے ایک مسلمہ سے شادی کر لی جو کہ ایک معزز انڈین فیملی سے تعلق رکھتی تھی، اسکی بیوی صاحبہ کو بھی اسلام سے خوب لگاؤ تھا اس لئے دونوں نے یونیورسل اسلامک اسکول شکاگو (Universal Islamic School Chicago) میں بطورِ ٹیچر کام کرنا شروع کر دیا .

میری آخری ملاقات جیمز سے اسنا (ISNA) کانفرنس کے دوران شکاگو میں ہوئی، اس بار میں نے یہ دیکھا کہ جیمز ایک مخصوص اسلامی لباس میں تھا اور اس نے سر پر ایک بہت بڑی سبز پگڑی باندھ رکھی تھی، میں نے اسے دیکھتے ہی کہا: جیمز اب یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: مسٹر احمد مہربانی کر کے اس بارے میں کچھ نہ کہیں، میں سمجھ گیا کہ جیمز ماشاءاللہ کسی ذاکر گروپ کے ساتھ منسلک ہو گیا ہے.

جینٹ روز (Janet Rose)

جینٹ کینیڈا کے شہر ایڈمنٹن (Edmontun) میں پیدا ہوئی، اسکی فیملی کئی نسلوں سے کینیڈا میں مقیم ہے، جینٹ نے اپنی مختصر کہانی یوں بیان کی: -

میں نے پرائمری سے لیکر ہائی اسکول تک کی تعلیم ایک رومن کیتھولک درسگاہ میں حاصل کی، اور میری فیملی عیسائی مذہب کے رومن کیتھولک فرقہ سے منسلک تھی، ایک بات مجھے ہر وقت کھٹکتی رہتی تھی، وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟ جتنا اس پر غور وخوض کرتی اتنا ہی اور الجھن میں پڑ جاتی .

میں تقریباً اٹھارہ سال کی تھی جب میں نے ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کر لی، اور اب عملی زندگی میں قدم رکھنے کیلئے تیار تھی، اس دوران میری ملاقات ایک پاکستانی شہری خالد صاحب سے ہوئی، آج سے تقریباً 26 برس قبل کینیڈا میں ایک ایسا قانون تھا جس کے تحت محض امیگریشن (Immigration) کیلئے عارضی شادی کرنا جائز تھا، خالد صاحب نے کینیڈا کا شہری بننے کی خاطر مجھ سے شادی کر لی .

میرے خاوند اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قابلِ رشک اخلاق سے مزین تھے انہوں نے اس دوران مجھے اسلام قبول کرنے پر قطعاً مجبور نہ کیا، بلکہ مجھے یہاں تک آزادی دے دی کہ میں ہونے والی بچی کو عیسائی تعلیم دوں یا اسلامی تعلیم سے آراستہ کروں، خالد صاحب کے کردار نے مجھے مجبور کر دیا کہ اسلام کے بارے میں چھان بین کروں میں نے پبلک لائبریری سے اسلام کے بارے میں چند کتابیں حاصل کر لیں اور انہیں خوب توجہ سے پڑھنے لگی، اس دوران خالد صاحب نے مجھے قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ بھی عنایت کیا.

اس مطالعہ سے مجھے یہ سمجھ آئی کہ اسلام میرے آبائی مذہب سے بہت ملتا جلتا ہے،

مجھے سب سے بڑھ کر یہ بات پسند آئی کہ اس میں خدا کے بیٹے والا معمہ نہیں آتا بلکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ پیغمبر ہیں، اس نے میری زندگی کی الجھن کو حل کر دیا، پس میں نے بچی کی پیدائش سے پہلے ہی اسلام قبول کرلیا ، اور اپنی شادی کو تاحیات قائم و دائم رکھنے کا فیصلہ کرلیا ، جلد ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹی عطا کی ، اس وقت ہماری دو بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں.

میں نے اسلامی تعلیم اپنے خاوند سے حاصل کی، وہ تقریباً ہر روز مجھے اور بچوں کو تعلیم دیتے اور اکثر قرآن پاک کی سبق آموز کہانیاں سادہ الفاظ میں بیان کرتے، اس سے میرا اور بچوں کا ایمان قوی ہو گیا.

یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ساس اور بہو میں کچھ نہ کچھ کھٹ پٹ چلتی رہتی ہے، خالد صاحب کی والدہ صاحبہ ہمارے پاس کینیڈا آئیں مجھے فخر سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جبکہ خالد صاحب نے مجھے کتابی تعلیم دی، میری ساس نے مجھے صحیح اسلامی کردار عادات اور اخلاق سے روشناس کرایا، انکی بے لوث محبت اور اخلاص سے میرا دل باغ باغ ہو گیا، پس اگر ساس اور بہو صحیح اسلامی تعلیمات پر گامزن رہیں تو اَن بَن نہیں ہوسکتی .

ہم نے چند سال کینیڈا کے ایک دوسرے شہر قیام کیا، وہاں بچوں کا اسلامی اسکول تھا، میں نے کے جی (K.G) کے ٹیچر کی حیثیت سے اس اسکول میں بچوں کو اسلامی تعلیم دی جس سے میری ذات کو بھی بہت فائدہ پہنچا، اور میرے اسلامی عقائد پختہ تر ہو گئے.

میرے والدین، بہن بھائی خاموش طبیعت ہیں، اور اسلام کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے رہتے ہیں، میرے سب رشتہ دار مجھ سے نہایت رواداری سے پیش آتے ہیں.

کچھ عرصہ بعد ہم نے دوبارہ ایڈمنٹن شہر نقل مکانی کی، ہم نے چند اور دوستوں کے تعاون سے اس شہر میں اسلامک انفارمیشن سنٹر قائم کیا، یہ سوموار سے جمعہ تک شام کے پانچ

بجے سے نو بجے تک کھلا رہتا ہے، اور اتوار کو بارہ بجے سے نو بجے رات تک، اس میں تقریباً تین ہزار کتابیں، اور بے شمار کیسٹ اور ویڈیو بھی ہیں، ان کو سننے اور مشاہدہ کرنے کا انتظام بھی ہے ، پس اس سنٹر میں جدید لائبریری کے مطابق سب سہولتیں میسر ہیں .

علاوہ ازیں اسلامک انفارمیشن کیلئے فری انٹرنیٹ سروس بھی موجود ہے، اس سنٹر میں ہر روز مسلم اور غیر مسلم جوق در جوق آتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مزید ہدایت سے نوازیں .

یہاں یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ میرے خاوند ہر ہفتے ٹی وی پر بھی ایک اسلامی پروگرام نشر کرتے ہیں، جس میں میرا چھوٹا بیٹا خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے.

میں ایمانداری سے اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی بہت پرسکون ہوگئی ، اور اس وقت میں ایک نہایت مطمئن زندگی بسر کر رہی ہوں . **الحمد لله** .

قارئین کرام مندرجہ ذیل ای میل پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں:۔

Jsehbai@hotmail.com

جم (Jim)

مغربی ممالک میں مقیم بعض مسلمان روزمرہ کی اسلامی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور مسجد یا اسلامی مدرسہ وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دینے کیلئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، اس میں نئے یا پیدائشی مسلمان میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا، جس کو بھی اللہ توفیق دے وہ دل وجان سے اللہ کے کام میں لگ جاتا ہے.

ایک دن توحید سینٹر آف ڈیٹرائٹ میں یہ طے ہوا کہ فجر کی نماز کے بعد ہم سب چند کاروں میں توحید سینٹر آف فارمینگٹن ہل جائیں گے اور وہاں پر غیر ضروری درختوں اور ان کی شاخوں کو گیس کے آروں سے کاٹیں گے، پھر ان کے چھوٹے چھوٹے بنڈل باندھ کر لب سڑک رکھ دیں گے تاکہ بلدیہ انہیں اٹھالے جائے ،اس طرح سے اس مسجد کے صحن کی کافی حد تک صفائی ہوجائے گی.

صبح کی نماز اور ذکر وغیرہ کے بعد ہم دو کاروں میں روانہ ہوئے ،جم نیا مسلمان تھا اور اس مسجد میں بھی نو وارد تھا وہ میری کار میں بیٹھ گیا، باقی سب دوسری کار میں، جم تقریباً بائیس سال کی عمر کا نوجوان تھا اور نہایت زیرک اور معاملہ فہم، میں نے اس سے پوچھا: وہ کیا چیز تھی جس نے تمکو اسلام کے زیور سے آراستہ کر دیا ؟ جم نے اس سفر کے دوران مجھے تفصیل سے اپنی گذشتہ زندگی سے آگاہ کیا ،

کہنے لگا: اس معاملہ کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ میں اپنے والدین کے ساتھ ایک چرچ جایا کرتا تھا، میرے والدین اس چرچ میں عبادت کرنے کے لئے اپنی آمدنی کا تقریباً دس فیصد چرچ کو دیتے، میرے والدین کو اس چرچ کے نظریات اور عبادات کا طریقہ بھی مناسب نہ لگا، میرے والدین نے اس سے مختلف نظریات کے عیسائی چرچ سے رجوع کیا ، وہاں بھی انہیں اپنی آمدنی کا تقریباً آٹھ فیصد ہر ماہ دینا پڑتا تھا، چونکہ

میرے والدین کو اس چرچ کے نظریات پہلے سے بہتر لگے اس لئے وہ اسی چرچ سے مستقل طور پر منسلک ہوگئے، میری سب سے پہلی الجھن یہ تھی کہ عبادت کرنے کی جگہ کے لئے جبراً پیسے دینے کیوں ضروری ہیں؟ مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں عبادت کرنے کیلئے پیسے دینے ضروری نہ ہوں .

میں نے ہائی اسکول سے فارغ ہونے کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ لیا، وہاں میں نے کئی بین الاقوامی مسلم طلباء سے پوچھا کہ کیا تمہیں بھی عبادت کرنے کیلئے پیسے دینے ہوتے ہیں ؟ سب نے کہا بالکل نہیں ، بلکہ عبادت کی جگہ کے استعمال کا حق سب کیلئے مساوی ہے .

یہاں ضمنی طور پر یہ بتانا ضروری ہے کہ مغربی مما لک میں یونیورسٹی کیمپس کا ماحول اور فضاء بہت آزادانہ ہوتی ہے، بگڑنے والے بگڑ جاتے ہیں اور بننے والے بن جاتے ہیں، طلباء کا آپس میں تبادلۂ خیالات قابلِ رشک ہے ، اس لئے کہ وہ کسی کے سوال کا جواب نہ تو اتنا مختصر دیتے ہیں کہ دوسرے کے پلے کوئی بات نہ پڑے، اور نہ ہی بال کی کھال نکالتے ہیں جس سے سوال کرنے والا اکتا جائے، اس طرح سے سوال کرنے والے کا بار بار سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، یہ طلباء ایک دوسرے کو اپنے خیالات کے پوری طرح تابع کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے تا کہ دوسرا شخص ان سے نالاں نہ ہوجائے، علاوہ ازیں ہم عمر اور ہمعصر ہونے کے باعث ایک دوسرے کی بات کا اثر بھی زیادہ لیتے ہیں ، اس طرح سے یہ مفاہمانہ تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے، یہ ہمارے بعض واعظین کیلئے مشعلِ راہ ہے.

جم نے اپنے دل میں سوچا یہ بات بہت معقول ہے کہ عبادت کیلئے جبراً پیسے دینا لازم نہ ہو، ایسے مذہب کے بارے میں مجھے مزید کھوج لگانی چاہئے، جم عیسائی چرچوں سے دل برداشتہ ہو چکا تھا اور والدین کے ساتھ کسی بھی چرچ جانا چھوڑ دیا تھا، یونیورسٹی میں بین الاقوامی مسلم طلباء سے گاہے بگاہے تبادلۂ خیالات کرتا رہتا ، جم نے اپنی باقی حکایت

یوں بیان کی:-

میں اور میری گرل فرینڈ (girl friend) ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے میری گرل فرینڈ بدھ مت کی پیروکار تھی اس نے گھر میں جگہ جگہ کئی بت رکھے ہوئے تھے لیکن نہ تو وہ پوری طرح سے بدھ مت پر قائم تھی اور نہ میں عیسائیت پر، اسے میری بات چیت سے پتہ چلتا تھا کہ میں کسی نئی راہ کی تلاش میں ہوں ، ایک دفعہ وہ کرسمس پر میرے لئے تحفہ خریدنے کیلئے بازار گئی -

کرسمس ایک ایسا موقع ہے جس میں مذہب کی قید نہیں ، مغربی ماحول میں ہر کوئی دوسرے سے کرسمس کے تحفے کی توقع رکھتا ہے، مثلاً یہودی جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بالکل یقین نہیں رکھتے اس میں پیش پیش ہوتے ہیں اور اپنے بزنس اور عمارت میں بہت بڑے کرسمس ٹری لگانے میں پہل کرتے ہیں.

جم نے کہا کہ میری گرل فرینڈ نے مارکیٹ میں ایک کتاب دیکھی جو کہ اسے قدرے فلسفیانہ لگی، اس نے سوچا کہ جم ہر وقت انوکھی باتیں کرتا ہے شاید اسکو یہ کتاب پسند آجائے، اس نے وہی کتاب میرے لئے کرسمس کے تحفہ کے طور پر خرید لی، میں نے وہ کتاب پڑھنی شروع کی، وہ قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ تھا ، میں نے اسے خوب دل لگا کر پڑھا، ہر روز میرے دل میں نئے نئے سوال پیدا ہوتے مجھے مسلم طلباء سے ان کا نہایت معقول جواب مل جاتا تھا، میرا دل و دماغ اسلام کیلئے تیار ہوگیا، میں نے مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے ممبران سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوں، انہوں نے مجھے کلمۂ شہادت پڑھایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں بھی مسلمان ہوگیا .الحمدللہ .

مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ نماز اسلام کا بہت اہم رکن ہے، میں بعض نمازیں یونیورسٹی کیمپس میں پڑھتا اور بعض گھر میں، میں نے اپنی گرل فرینڈ سے کہا کہ ڈرائنگ روم سے سب بت نکال لو کیونکہ مجھے یہاں نماز پڑھنی ہوتی ہے ،اس کو میری یہ بات بہت شاق

گذری کیونکہ کسی کے مذہب میں عمل دخل بہت نا قابلِ برداشت ہوتا ہے ، اس بے چاری نے مجھے خوش کرنے کیلئے بیٹھک سے بت ہٹا دیئے اب جوں جوں میری اسلامی تعلیم اور عقیدہ پختہ ہوتا گیا میں نے اپنی گرل فرینڈ سے بیزاری کا اظہار کرنا شروع کر دیا، ہماری کئی باراان بن ہوئی وہ بار بار کہتی میں ہر طرح سے تجھے خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں اور مجھ میں ذرا بھر بھی تغیر نہیں آیا ، آخر وہ کیا چیز ہے جس نے تجھے مجھ سے بے رخی اور بیزاری پر آمادہ کر دیا ہے؟ میں نے اسے سنجیدگی سے کہا: جو کچھ تم کہتی ہو صحیح ہے لیکن اب میں مسلم ہوں، ایک غیر مسلم سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کر سکتا، میری فرینڈ خوب سمجھتی تھی کہ میں بذاتِ خود کسی کو تکلیف نہیں دیتا اور میرا رویہ سب کے ساتھ شریفانہ اور بھلا ہے، وہ مجھے کسی قیمت پر چھوڑنا نہ چاہتی تھی، مجھ سے پوچھنے لگی: مجھے کیا کرنا ہوگا جس سے ہمارے تعلقات برقرار رہ سکیں ؟ میں نے جواب دیا : تمہیں مسلمان بننا ہوگا، پھر پوچھنے لگی: اسلام کیا ہے؟ میں نے اسلام کی موٹی موٹی باتیں اسے بتائیں ، اس تھوڑے عرصہ میں یہ باتیں اس کے دل میں پوری طرح نہ اتریں لیکن وہ پھر بھی مجھے خوش کرنے کے لئے مسلمان بن گئی اور اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اس گھر کو بتوں سے پاک کیا .

ہم دونوں کی شادی ہونے کے بعد ہم مقامی مسجد میں جاتے، اسطرح سے روز وشب گزرنے لگے، میں نے محسوس کیا کہ میری بیوی پانچوں نمازیں باقاعدگی سے نہیں پڑھتی، میں نے اس سے غصے میں کہا: تم کسطرح کی مسلمان ہو کہ پانچوں نمازیں بھی نہیں پڑھتی، وہ کہنے لگی: میں کوشش تو کر رہی ہوں، میں نے ایک بار پھر اس بات کا اعادہ کیا تو وہ رونے لگی اور اس شہر کی مسلمان عورتوں سے مجھ سے ناچاقی کا ذکر کیا ، اسلامی حلقہ کے اکابرین کو بات سمجھ میں آ گئی، انہوں نے ایک باوقار میاں بیوی کو بھیجا تا کہ ہم دونوں سے مصالحت کی گفتگو کریں، ان دونوں نے مجھ سے پرزور انداز میں کہا: تمہاری بیوی نئی مسلمہ ہے، اسلام جسم و روح میں آہستہ آہستہ رچتا ہے تمہیں ایسی سختی نہیں کرنی چاہئے ، اس

سے میرے رویہ میں ذرا فرق پڑ گیا .

میرے اسلام لانے سے پہلے جب کبھی میں اپنے ہم عمر امریکی دوستوں میں کھڑا ہوتا تو ہم سب بیک وقت باتیں کرتے اور کوئی کسی کی نہ سنتا، اسلام لانے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ میں اکثر خاموش رہتا ہوں اور صرف اس وقت بات کرتا ہوں جب کہ دوسرے خاموش ہوں، میرے ساتھیوں نے مجھ میں بہت بڑا تغیر دیکھا، مجھے اور بھی بھلا مانس اور شریف النفس پایا، وہ حیران تھے کہ آخر اس کو یک لخت کیا ہوا ہے، وہ آپس میں اکثر بے ہودہ باتیں کرتے رہتے، مجھے ایسے ماحول میں بہت گھٹن محسوس ہونے لگی .

والدین کی اور میری سوچ بھی بالکل مختلف تھی ، مجھے اس فضا میں رہنا دشوار محسوس ہونے لگا ، میں چاہتا تھا کہ ان اختلافات اور دباؤ سے باہر ہو کر یکسوئی کے ساتھ اسلام پر کار بند ہو جاؤں، اس لئے میں نہ صرف اس شہر کو بلکہ والدین اور دوستوں کو چھوڑ کر یہاں ڈیٹرائٹ آ گیا ہوں، میری بیوی یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کیلئے وہیں رک گئی ہے، یہاں میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا ، میں اپنی یونیورسٹی کے پرانے ساتھی احمد کے پاس آیا ہوں ، جو کہ ملائشیا اور انڈونیشیا کی مسلم تنظیم کا عہدہ دار ہے اس نے مجھے رہنا سہنا کھانا غرضیکہ ہر چیز مفت دیدی ہے اور اسی وجہ سے میں اس کے ساتھ ہی یہاں مسجد آتا ہوں، مجھے اس مسجد میں بہت روحانیت محسوس ہوتی ہے .

اس مسجد کے نمازی جم سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اسے کئی تحفے دیئے، جم نے کام کی تلاش شروع کردی، اسے ایک اچھا خاصا کام بھی مل گیا، کچھ دنوں کے بعد اس نے بتایا: میں نے کام چھوڑ دیا ہے کیونکہ میں نیا ملازم ہوں اسلئے کارخانے کا مالک مجھے جمعہ کی نماز پڑھنے کی چھٹی نہیں دیتا .

جم نے قرآن پاک کی کئی سورتیں زبانی یاد کرلیں اس کا تلفظ بھی بہت اچھا تھا، میں نے پوچھا: کیا تمہارے میزبان احمد نے تم کو ان سورتوں کی قراءت سکھائی ہے؟ اس نے کہا: نہیں ، بلکہ اس گھر میں کمپیوٹر ہے جس میں سی ڈی پر قرآن پاک موجود ہے میں نے اسے بار بار

سن کر خود ہی یاد کر لی ہیں .

ایک دن جم نے مجھ سے کہا: کیا میں مسجد سے انگریزی میں مترجم قرآن پاک خرید سکتا ہوں ؟ میں نے اسے بتایا کہ یہ نومسلم کیلئے فری ہیں، جتنے نسخے جی چاہے لے لو ،اس نے کہا: مجھے ایک اپنی ماں کیلئے چاہئے ،ممکن ہے کہ میری طرح وہ یہ پڑھنے پر ہدایت پا لے، اس کے علاوہ مجھے کچھ نسخے اپنے دوستوں کیلئے چاہیئے ہیں، میں نے اس سے کہا : تم کسی سے پوچھے بغیر یہ نسخے لے سکتے ہو .

اسی دوران جم کی ایک تبلیغی گروپ سے ملاقات ہوگئی، اس گروپ کی ایک اچھی صفت یہ ہے کہ اس کے فرد نئے مسلمانوں کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کرتے ہیں ، انہیں نہ صرف ابتدائی تعلیم دیتے ہیں بلکہ اسلامی ماحول ومعاشرہ سے بھی خوب مانوس کرتے ہیں، اس کام میں یہ دوسرے اسلامی گروپوں سے پیش پیش ہیں، جم اس تبلیغی تنظیم سے منسلک ہوگیا اور ان کے ساتھ کئی ریاستوں میں تعلیم وتبلیغ کے سلسلے میں گیا ،کئی مہینوں کے بعد ایک آدھ رات کے لئے ڈیٹرائٹ آتا تو مسجد توحید میں اس سے ملاقات ہو جاتی تھی ،معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس زندگی اور جوانی کو جوانی دینے والی ذات پر فدا کر دیا ہے جو شیوۂ پیغمبری ہے،کسی نے کیا خوب کہا ہے:-

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار

یعنی جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کی عادت میں سے ہے، کیونکہ بڑھاپے میں تو ایک ظالم بھیڑیا بھی پرہیز گار سا بن جاتا ہے .

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں . آمین .

ریحانہ (Rehana)

امریکی سوسائٹی میں نقل وحرکت بہت زیادہ ہے ایک اندازے کے مطابق ایک فیملی ایک ہی جگہ تقریباً پانچ سال سے زیادہ مقیم نہیں رہتی، اس لحاظ سے میری فیملی پکی امریکی فیملی ہے، ہم سیٹل (Seattle) سے لاس انجلس(Los Angeles) کے نواحی علاقہ میں منتقل ہوئے، ہمارے قریب ترین مسلم پڑوسی عبدالوہاب صاحب تھے ہم نہ صرف ہر روز کئی بار مسجد میں ملتے بلکہ ایک دوسرے کے گھر میں بھی خوب آمدورفت رہتی، عبدالوہاب صاحب نے ایک امریکی عیسائی خاتون سے شادی کی، ایک دن عبدالوہاب صاحب نے مجھے تفصیل سے بتایا کہ ان کی اہلیہ صاحبہ کے اسلام لانے سے پہلے انہیں کن کن امتحانوں اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، انہوں نے اپنے گھر کی کہانی یوں بیان فرمائی :-

جب میں نے ریحانہ سے شادی کی میں پورے اسلامی احکام پر کاربند نہ تھا، اسی طرح ریحانہ بھی اپنے عیسائی مذہب کی طرف بہت کم متوجہ تھی ، میں تو شاذونادر مسجد چلا بھی جاتا تھا اور وہ کبھی بھی چرچ نہ جاتی تھی، جلد ہی ہمیں اللہ نے بچے عطا فرمائے تو مجھے بچوں کے مستقبل کی فکر لاحق ہوئی، میں نے ریحانہ کو مسجد جانے کی دعوت دی اس نے صاف انکار کردیا، اس پر طرہ یہ کہ اس نے چرچ جانا شروع کردیا اب جب کبھی میں اسکو مسجد کی ترغیب دیتا اس دن وہ خصوصیت کے ساتھ چرچ کا رخ کرتی تھی، سچ تو یہ ہے کہ کوئی شخص بھی عورت سے مقابلہ کرکے جیت نہیں سکتا .

ایک دن میں نے اسے نہایت مخلصانہ انداز میں ایک حل پیش کیا وہ یہ کہ: ایک اتوار ہم دونوں مل کر چرچ جایا کریں گے اور دوسرے اتوار کو مسجد ، اسطرح میں اسکو اسلام سے روشناس کرانا چاہتا تھا ، اس نے کچھ تامل کے ساتھ اس تجویز کو قبول کرلیا .

ایسی صورت میں میرے اندر احساس ہوا کہ مجھے صحیح معنوں میں اسلامی احکام پر کار بند ہوجانا چاہیئے، اور میرا رویہ گھر اور باہر ہر اعتبار سے اسلامی ہونا چاہیئے اسی صورت میں ہی میری اہلیہ اسلامی اقدار سے متعارف ہوسکتی ہیں ،اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ میں نے نہایت تندہی سے اسلامی طرز عمل اپنا لیا ، حقیقت یہ ہے کہ ہر میاں بیوی سے ایک دوسرے کے گن اور خامیاں چھپ نہیں سکتیں کیونکہ دونوں کا ایک دوسرے سے بہت قریب کا واسطہ رہتا ہے ، میرا یہ نیا طرزِ عمل مجھے بہت محبوب تھا ، ریحانہ بہت آہستہ آہستہ اسلامی اقدار سے مانوس ہونے لگی، گھریلو زندگی کے علاوہ مسجد کے ماحول نے اسے قدرے تقویت دی، روز بہ روز اسکا شوق اسلام کے لئے بڑھتا گیا حتی کہ اس نے اسلام قبول کرلیا الحمدللہ.

ریحانہ اب ایک بالکل مختلف عورت تھی، اسکو اسلام سے اتنی لگن ہوگئی کہ وہ اپنے آپ کو پوری طرح سے اسلام سے رنگنا چاہتی تھی، اس نے اچانک اسلامی لباس پہننا شروع کردیا ،اس کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ اکثر پیدائشی اور روائتی مسلمان عورتیں اپنے سر کو اسلامی طریقہ سے کیوں نہیں ڈھانکتیں ، ان کی قوتِ احساس کو کیا ہوا ہے، اسلامی لباس تو عورت کو بہت معزز اور باوقار بنا دیتا ہے ، پھر بھی یہ لوگ دوسروں کا رنگ دیکھ کر اس میں کیوں رنگے جاتے ہیں؟ یہ نہایت قابلِ افسوس بات ہے .

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
تم وہ مسلم ہو جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ریحانہ کے اسلام لانے پر عبدالوہاب کی ہر طرح کی مشکلات ختم ہوگئیں لیکن ریحانہ کا عالم مختلف تھا ، وہ جلد جلد مزید اسلامی تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی اور جو کچھ پڑھتی اس پر عمل کرنا چاہتی تھی ، اس نے اپنے خاوند سے یہ اصرار کیا کہ ڈاکٹر مزمل صدیقی صاحب کی فقہ کی تقاریر کو کیسٹر پر ریکارڈ کریں تا کہ وہ ان سے بار بار استفادہ کر سکے، ایک دن

عبدالوہاب صاحب فقہ کے اس سبق میں شمولیت سے قاصر تھے تو انہوں نے مجھ سے پرزور مطالبہ کیا کہ اس لیکچر کی کیسٹ ضرور ریکارڈ کرنا کیونکہ یہ انکی بیگم صاحبہ کی فرمائش ہے ، ریحانہ اسلامی تعلیم کو اپنے میں خوب جذب کر لیتی اور اس پر خاموشی سے عمل پیرا ہوتی ، وہ کبھی مشتعل نہ ہوتی ، وہ اپنے خاوند کی بے حد ممنون تھی جنہوں نے اسے اسلام کا ایک اعلیٰ تحفہ عطا کیا، اور اسے نئ زندگی سے روشناس کرایا، ریحانہ اپنے بچوں کو اسلامک اسکول میں تعلیم دلوانا چاہتی تھی تا کہ وہ اچھے مسلمان بنیں، اس کا خیال تھا کہ دنیاوی تعلیم کی کمی بیشی کو بعد میں بھی درست کیا جاسکتا ہے .

ریحانہ کے والدین شکاگو میں مقیم تھے جو کہ لاس اینجلس سے تقریباً دو ہزار میل دور ہے، ریحانہ کے والدین پر اس کا اسلام میں داخلہ بہت شاق گذرا ، انہوں نے ریحانہ کو ہر ممکن طریقہ سے تنگ کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اس کے ہاں آنا جانا بھی ترک کر دیا، خاص کر ریحانہ کے والد بہت سخت مزاج ،ضدی اور اپنی دھن کے پکے تھے ، اسلام کے بارے میں تعصب ان پر پوری طرح سے مسلط تھا، ان سے بات کرنا بھی بہت مشکل تھا، ان حالات کے باوجود ریحانہ اپنے والدین سے میل ملاپ اپنا فرض سمجھتی تھی اس لئے وہ ہر سال بچوں سمیت ان کے پاس شکاگو ملنے جاتی، جب بھی واپس آتی تو کلفت اور بدمزگی کے بوجھ سے لدی ہوتی ، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری ہر سال شکاگو کا چکر ضرور لگاتی بچے بھی کچھ بڑے ہونے لگے، ریحانہ کے والدین ان بچوں کے اسلامی اطوار اور عادات سے متأثر ہونے لگے اور دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ غالباً اسلام اتنا برا نہیں جتنا ہم اسے سمجھتے ہیں، ان کی سوچ یہاں تک بدل گئی کہ وہ کئی سالوں بعد اپنی بیٹی کے پاس لاس اینجلس آنے کیلئے تیار ہوگئے، ہمیں بھی یہ اچھی خبر ملی ، بالآخر وہ واقعی لاس اینجلس تشریف لے آئے ،اس سے ہماری حیرت اور خوشی کی کوئی حد نہ رہی .

میں نے عبدالوہاب صاحب کی فیملی کو شام کے کھانے پر مدعو کیا اور ساتھ ہی ایک

دوسری فیملی مسٹر اور مسز نسیم کو بھی دعوت دی، مسز نسیم بھی ریحانہ کیطرح نئی امریکی مسلمہ تھی جو کہ نہ صرف اسلامی لباس میں ملبوس رہتی بلکہ اسلام پر تن من دھن سے عمل پیرا تھی ، ہمارا مقصد یہ تھا کہ ریحانہ کے والدین کو دیگر امریکی مسلمانوں سے متعارف کرایا جائے تاکہ ان کے تعصبی بندھن ڈھیلے ہوں، ہم سب نے وہ شام بہت خوشگوار ماحول میں گذاری، ریحانہ کے والدین ہمارے اچھے دوست بن گئے، ایک دوسرے سے خوب نوک جھونک ہوتی رہی حتی کہ نصف شب کے قریب یہ مجلس برخاست ہوئی.

یہاں پر ایک اور ضمنی بات کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ ریحانہ اور اسکی فیملی چند قدم چل کر اپنے گھر پہنچ گئے ، مسٹر اور مسز نسیم کو تقریباً بیس میل دور ریورسائڈ (Riverside) بذریعہ کار جانا تھا، رات کے ان اوقات میں ڈرائیونگ بہت خطرناک ہوتی ہے، کئی لوگ شراب کے نشے میں ہی کاریں چلاتے رہتے ہیں ان سے بچنا بہت مشکل ہے، مسٹر اور مسز نسیم کی کار کی بھی ایک ایسے ہی شخص کی کار سے اسی رات ٹکر ہوگئی ، حادثہ بہت سخت تھا ، دونوں میاں بیوی کار سے باہر سڑک پر آ گرے، نسیم صاحب بالکل بے ہوش ہوگئے، مسز نسیم کی بہت سی ہڈیاں ٹوٹ گئیں لیکن وہ ابھی ہوش میں تھیں، اپنے بے ہوش خاوند کے پاس بیٹھ کر بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگیں، تھوڑی دیر بعد ایک ایمبولنس پہنچی، اس کے عملے نے دیکھا کہ ایک عورت عجیب وغریب لباس میں بیٹھی ایک اجنبی زبان میں باتیں کررہی ہے، انہوں نے مسز نسیم سے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا تم انگریزی سمجھتی ہو؟ مسز نسیم نے انگریزی میں کہا: ہاں سمجھتی ہوں میں تو صرف عربی میں قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھی ، دونوں کو ہسپتال لے جایا گیا، وہ کئی ماہ ہسپتال میں داخل رہے کافی علاج معالجہ کے بعد ایک آدھ سال بعد دونوں پھر چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے ، والحمدللہ .

ریحانہ کے والدین مختصر قیام کے بعد واپس شکاگو چلے گئے، ریحانہ کی یہ دلی خواہش

تھی کہ کسی طرح اس کے والدین اسلام قبول کرلیں، ایک دن میری اہلیہ صاحبہ نے مجھے بتایا کہ ریحانہ بہت رو رہی ہے، میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے ؟ میری اہلیہ نے بتایا کہ ریحانہ کی والدہ سخت بیمار ہے اور ریحانہ کو یہ فکر ہے کہ کہیں وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ہی فوت نہ ہوجائے کیونکہ جہنم بہت سخت مقام ہے ، افسوس کہ ریحانہ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی اور اسکی والدہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسی .

جیسے کہ میں نے پہلے لکھا ہے ریحانہ کا والد بہت سخت مزاج تھا ، اس کے باوجود ہم سب اس سے رابطہ رکھتے ،عبدالوہاب اپنے کاروبار کے سلسلہ میں تقریباً ہر ماہ شکاگو جاتے تو اپنے سسر سے ضرور ملتے ، اس سے کوئی ایسی بات نہ کہتے جو اس کو ناگوار گذرے، ریحانہ کے والد میرے بھی دوست بن گئے تھے، میں بھی چاہتا تھا کہ کوئی مثبت قدم اٹھاؤں جس کا ان پر اچھا اثر ہو، اس دوران میں نے ڈیٹرائٹ (Detroit) نقل مکانی کرلی جو کہ شکاگو سے کافی قریب ہے، میں نے ریحانہ کے والد کو ڈیٹرائٹ سے فون کیا اور دعوت دی کہ وہ ہمارے پاس آئیں کیونکہ اب ہم لاس اینجلس کی نسبت بہت قریب تھے، اتفاق کی بات ہے کہ یہ وہ وقت تھا جبکہ ڈیٹرائٹ کی پولیس کے کچھ عملہ کی بدعملیوں کے باعث ڈیٹرائٹ کی شہرت کو بہت ٹھیس لگ چکی تھی، اس لئے ریحانہ کے والد نے مجھے یہ جواب دیا امتیاز! میرا دل بہت چاہتا ہے کہ تمہارے پاس آؤں لیکن میری یہ پوری کوشش ہے کہ زندگی بھر ڈیٹرائٹ جیسے شہر میں قدم نہ رکھوں .

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ریحانہ کے والد کو اسلام کی توفیق دیں آمین.